

جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب

پروفیسر طاہر القادری کا نظریہ رویت ہلال

”فصل المقال فی رویت الهلال“ کے علمی نام اور ”رویت ہلال“ کے مسئلہ پر

”مفکر اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا مبسوط علمی اور تحقیقی فتویٰ“ کے عنوان سے جملہ ماہنامہ ”منہاج القرآن“ لاہور کے شمارہ مارچ ۱۹۹۶ء میں ایک تحریر کی قسط اول مطالعے میں آئی۔ نہایت سنجیدگی سے محسوس کیا کہ اس میں موضوع کے ساتھ سخت ناانصافی کی گئی ہے اور ناقص معلومات اور قیاسات کی بنیاد پر غلط نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ ارادہ کیا کہ اسکا علمی اور فکری تجزیہ کیا جائے مگر اسے فتوے کی مکمل اشاعت تک ملتوی کر دیا۔ دو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور ہنوز اس کی اگلی قسط شائع نہیں ہوئی لہذا قسط اول ہی کو سامنے رکھ کر چند علمی حقائق پیش کرنے کی جسارت کی جاتی ہے۔

علم کی کسی صنف میں طبع آزمائی کے لئے اس کی ابتدائی اور بنیادی معلومات کا حصول نہایت ضروری ہے۔ اگر موضوع کسی فن سے متعلق ہو تو اس پر بحث کے لئے گہرے مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے، نیز ماہرین فن کی رہنمائی میں ایک عرصے تک تحقیقی مراحل طے کرنا پڑتے ہیں۔ اس کے بغیر مقالے اور فتوے تحریر کرنے اور ان میں بڑی بڑی باتیں بیان کرنے سے عظیم فروگزاشتیں عمل میں آتی ہیں اور ”لا تقربوا الصلوٰۃ“ والا معاملہ ہو جاتا ہے کہ طفقہ عبارت کو چھوڑ کر یا اس کے پس منظر سے آگاہی حاصل کئے بغیر محض عربی زبان کے چند الفاظ کی شدید کی بنیاد پر نمازی کے عدم جواز کا فتویٰ دے دیا جائے۔ ہر عالم اور فاضل کی علمی مہارت ایک خاص موضوع تک محدود ہوتی ہے۔ کوئی نامور مقرر یا اہل قلم بڑی بڑی دگریوں کا حامل ہونے کے باوجود علم کی ہر صنف میں علامہ نہیں ہو سکتا۔ ایک شیخ الحدیث پہ متعلقہ موضوع پر جو دسترس رکھتا ہے۔ شیخ القرآن اس موضوع سے نہایت قریبی تعلق رکھنے کے باوجود ویسی مہارت کا حامل نہیں ہوتا۔ سائنسی نوعیت کی ایک بالکل ہی غیر متعلقہ شاخ میں ماہرانہ طبع آزمائی کی کوشش کرنا دوسروں کو خود پر ہنسی اڑانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے تو اس مضمون کی توضیحات کو درست طور پر سمجھ لینا بھی دشوار ہوتا ہے، چہ جائیکہ وہ اپنی علمیت کا رعب جمانے کے لئے اس فن پر سند ہونے کا دعویٰ کر دے۔ فلسفیانہ نکات کے بیان اور سائنسی اصولوں کی روشنی میں بحث دونوں میں یکساں مہارت کا حامل ہونا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ان کی نوعیت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اول الذکر

صورت میں ایک شخص اپنے کسی خاص وصف کی بدولت الفاظ کی جادوگری سے عوام الناس میں اپنی خوب واہ واہ کروا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس میں موضوع کو محض دلچسپ اور منفرد انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ اس طرح وہ اپنی تخیلاتی اور تصوراتی پروازوں کے زور پر سامعین یا قارئین سے خود کو منوا سکتا ہے مگر سائنسی مضامین کے بیان میں یہ استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان فنون کے مسلمہ اصول اور کلیے غلط توضیحات کو باطل قرار دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ متذکرہ فتویٰ بلاشبہ کارآمد فلکیاتی اشکال سے مزین ہے البتہ فلکیاتی موضوع کی کسی کتاب سے زمین اور چاند کے متعلق بعض قطعاً غیر ضروری اعداد و شمار نقل کر کے واقف حال قارئین کے لئے لفسن طبع کا سامان ہم پہنچایا گیا ہے۔ دور بینوں کے عدسوں کی استعداد کے بارے میں بے مقصد تفصیلات شامل کی گئی ہیں۔ انگریزی اصطلاحوں کے جا بجا استعمال انگریزی ماخذ کے حوالے اور معلومات کے یہ ڈھیر دکھ کر ناواقف اشخاص اس وہم میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ فاضل فتویٰ نگار کو اس موضوع پر مکمل عبور حاصل ہے مگر جب علوم فلکیات کے مبتدی طالب علم بھی سائنسی اصولوں کی روشنی میں اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ دنگ رہ جاتے ہیں کہ ایک عالم اور فاضل کملوانے والی ایک معروف عالمی شخصیت کی تحریر بنیادی غلطیوں سے کس قدر معمور ہے! فاضل فتویٰ نگار کی دو سال تک پراسرار خاموشی سے یوں لگتا ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد کسی کرم فرمانے انہیں بتا دیا ہو گا کہ اس تحریر کی کوئی علمی حیثیت نہیں لہذا اگلی قسط یا قسطیں روک لی گئیں۔

انسان خطا کا پتلا ہے۔ ہر شخص سے غیر ارادی طور پر غلطی ہو جانا ممکن ہے مگر جہاں کوئی غلطی دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہو اور غلطی کنندہ کو حقیقت حال کا علم ہو جائے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اوروں کو اس کے بد اثرات سے بچانے کی کوشش کرے۔ متذکرہ بالا صورت حال میں فاضل فتویٰ نگار کا فرض تھا کہ اگر نادانستگی میں ہی سہی، غلط باتیں لکھ دی گئی تھیں تو قارئین کو آگاہ کر دیتے کہ اس فتوے کو منسوخ کیا جاتا ہے لہذا اسی کے مندرجات کو شرعی امور میں ماخذ نہ بنایا جائے۔ پھر یہ بھی ضروری تھا کہ اس امر کی مناسب طور پر تشریح کی جائے تاکہ ہر خاص و عام گمراہی سے بچ جائے۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں، ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ دیانت دار علماء اور فضلاء نے لاعلمی میں بیان کردہ اپنی تحریروں یا تقریروں کے ایسے حصوں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اپنی جہالت تک قرار دیا اور اس اقرار میں کوئی شرم نہ کی اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ خلق خدا ان غلط باتوں سے گمراہ ہو اور اس کا بار روز قیامت ان کی گردن پر پڑے۔ جن کے دل میں ذرا بھی خوف ہو وہ ایسے معاملے میں دنیوی عزت و نمود کو خاطر میں نہیں لاتے اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اپنی غلطی کا برملا اعلان کر دیتے ہیں۔ فاضل فتویٰ نگار کو خیال کرنا چاہیے کہ ان کی خاموشی سے

موضوع کی جزئیات سے ناواقف کس قدر لوگ، جو ان کی علمیت پر اعتقاد اور یقین رکھتے ہیں، ان غلط باتوں کو قبول کئے رکھیں گے اور روایت ہلال کے غلط نظریات کی ترویج میں اسلامی عبادات کے مقررہ ایام کو اصل مقام سے ہٹاتے رہیں گے۔ پھر یہی لوگ یہ غلط نظریات دوسروں کو منتقل کرتے رہیں گے اور کب تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ سیانے کچھ ہیں کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف بہت بڑی ہمداری ہے اور ایسے لوگ قابلِ صدا احترام ہوتے ہیں۔ اس سے عزت برباد نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھتی ہے۔ انا مجروح نہیں ہوتی بلکہ اور قوی ہوتی ہے۔ بس خلوص شرط ہے۔ خاموشی یا مالِ مٹول سے کام لے کر اپنی غلط باتوں کی تردید نہ کرنا گمراہی پھیلانے کے مترادف ہے۔ اگر یہ فلکیاتی تشریحات کے موضوع پر محض ایک معلوماتی مضمون ہوتا اور اس میں اس سے بھی زیادہ غلطیاں ہوتیں تو راقم خاموش رہتا مگر چونکہ روایت ہلال ہمارا دینی وطنی مسئلہ ہے اور یہاں اسے ایک فتوے کی صورت دی گئی ہے جس میں غلط مفروضوں کی بنیاد پر ایسے نتائج اخذ کئے گئے ہیں جو علوم فلکیات کے مسلمہ اصولوں کی نفی کرنے کے علاوہ شرعی اصولوں سے بھی متصادم ہیں لہذا یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس تحریر کو فنی بنیادوں پر پرکھا جائے۔ اگرچہ اس میں بہت سی بائیں محل نظر ہیں مگر طوالت کے خوف کو مد نظر رکھتے ہوئے چیدہ چیدہ نکات ہی کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور انہیں ماہرین فن کے حوالوں کے ساتھ عام فہم انداز میں پیش کیا جاتا ہے کیونکہ غیر متعلق چیزوں اصطلاحوں اور بے مقصد احاد و شمار کے ڈھیر لگا کر ان سے قارئین کو مرعوب کرنا قطعاً ضرور نہیں۔

چاند کی ماہانہ گردش کا عرصہ :- قمرانی ماہ (Synodic Month) کا ذکر کرتے ہوئے ذخیلِ فتویٰ نگار تحریر کرتے ہیں: ”واقعیاً پچھلے قمران (نئے چاند کی ولادت) سے اگلے قمران (نئے چاند کی ولادت) تک کا عرصہ ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ اور ۲۶.۸ سیکنڈ ہے۔۔۔۔۔۔ یہ عرصہ علمِ ہیت و افلاک کی جدید تحقیقات کے ذریعے حتمی و قطعی طور پر ثابت اور متعین ہو چکا ہے اس میں کسی ایک ماہ میں بھی کمی بیشی نہیں ہوتی“ (صفحہ ۴۴)۔ فاضلِ فتویٰ نگار جس عرصے کو ”حتمی و قطعی“ سمجھتے، دراصل وہ اوسط مدت ہے۔ قمری گردش کی مدت میں ہر ماہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا امریکانہ میں اس کی یوں توضیح کی گئی ہے: ”قمرانی ماہ کی اوسط مدت ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ اور ۲۶.۸ سیکنڈ ہوتی ہے۔ اس عرصے میں تیرہ گھنٹے تک کافرق ہو سکتا ہے“ (جلد ۱۹ صفحہ ۴۲۰)۔

سیگراہل انسائیکلو پیڈیا میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ”قمرانی عرصے کی اوسط مدت ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ہوتی ہے اور چاند کے دائرہ گردش میں اس کی بے قاعدہ چال کے باعث تقریباً ۱۳ گھنٹے تک کافرق ہوتا ہے“۔ (جلد ۱۱ صفحہ ۴۲۰) یہ فرق اوسط مدت سے ارد گردِ مٹولوں سے گھنٹوں تک پھیلا ہوتا ہے۔

راقم نے اپنے رسالے ”رویت ہلال موجودہ دور میں“ میں اس فرق کو اس طرح بیان کیا ہے: ”ایک نئے چاند سے دوسرے نئے چاند کی مدت ۲۹ دن ۶ گھنٹے اور ۲۹ دن ۲۰ گھنٹے کے درمیان مختلف مہینوں میں مختلف ہوتی ہے اور اس کا کوئی یکساں معیار مقرر نہیں۔“ (صفحہ ۲۹)

اگر فاضل فتویٰ نگار تھوڑا سا تردد فرما کر اپنے ہی فتوے میں پیش کردہ قرآن شمس و قمر کے اوقات میں ماہانہ فرق کا حساب کر لیتے تو وہ مغالطے میں نہ رہتے۔ اسکے ثبوت میں انہی کی تحریر میں درج فلکیاتی جدول (صفحات: ۵۵، ۵۶) سے ۱۹۹۲ء کے چند مہینوں کی قرآنی مدت کے ۲۹ دن سے اضافی گھنٹے اور منٹ معلوم کرتے ہیں۔

جنوری فروری	۱۹ گھنٹے ۵۰ منٹ	فروری مارچ	۱۸ گھنٹے ۲۳ منٹ
مارچ اپریل	۱۵ گھنٹے ۳۹ منٹ	اپریل مئی	۱۲ گھنٹے ۴۳ منٹ
مئی جون	۱۰ گھنٹے ۱۲ منٹ	جون جولائی	۸ گھنٹے ۲۲ منٹ
جولائی اگست	۷ گھنٹے ۱ منٹ	اگست ستمبر	۷ گھنٹے ۶ منٹ

مزید سالوں کے اعداد و شمار سے اس سے بھی کم مدت کے مہینوں کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے گریچ کی عالمی رصدگاہ کے میا کردہ اوقات مندرج ”جوہر تقویم“ (صفحات: ۲۵۱ - ۲۵۲) سے فقط ۱ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

جون جولائی ۲۰۰۰ء — ۶ گھنٹے ۵۰ منٹ جون جولائی ۲۰۰۱ء — ۶ گھنٹے ۴۲ منٹ

ثابت ہوا کہ چاند کی ماہانہ گردش کا عرصہ ”حتی و قطعی“ نہیں بلکہ اسمیں ہر ماہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے چاند کا زمین کی جانب حصہ :- ”چاند کا گھٹنا بڑھنا“ کے عنوان کے تحت فاضل فتویٰ نگار تحریر کرتے ہیں: ”..... چاند کا ۵۹ فیصد حصہ زمین کی جانب رہتا ہے اور ۴۱ فیصد دوسری سمت جو ہمیں کبھی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جب ہم چودھویں رات میں ماہ کامل دیکھتے ہیں تو فی الحقیقت اس وقت ہم چاند کا ۵۹ فیصد حصہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔“ (صفحہ ۴۵)۔ فاضل فتویٰ نگار نے کہیں سے ۵۹ فی صد کا ذکر پڑھ لیا اور اس کی توضیح کا مطالعہ کئے بغیر اسے ماہ کامل سے منطبق کر دیا۔ صحیح کیفیت انسائیکلو پیڈیا امریکانہ میں یوں تحریر ہے: ”کسی بھی مقام سے کسی ایک وقت پر زمین سے چاند کی ۵۰ فیصد سے زیادہ سطح دکھائی نہیں دے سکتی تاہم چاند کی چند حقیقی اور نمایاں حرکات ہمیں اس قابل بناتی ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ متذکرہ فی صد سے کچھ زیادہ حصہ دیکھ سکیں۔“ (جلد ۱۹، صفحہ: ۴۲۶)

انسائیکلو پیڈیا میں اس کے بعد چاند کی وہ خاص حرکات بیان کی گئی ہیں جو علم ہئیت کی اصطلاح میں ”متحرک ترازو کی مانند جھولنے“ (Librations) کہلاتی ہیں۔ چاند کی ہئیت اور زمین کے گرد اس کی بے قاعدہ

گروش کے دوران واقع ہونے والے ان جھولنوں کے باعث مختلف موقعوں پر اس کی سطح کی مزید ہلکی ہلکی مختصر جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں: ”بحیثیت مجموعی چاند کی سطح کی زائد جھلکیاں چاند کو کسی ایک وقت پر دیکھے جانے کی نسبت ۹ فیصد زیادہ ظہور میں آتی ہیں، جس سے جملہ فیصد ۵۹ ہو جاتی ہے“ (ایضاً) یعنی ایک وقت پر زمین سے دکھائی دینے والے چاند کی سطح زیادہ سے زیادہ ۵۰ فیصد تک دکھائی دیتی ہے۔ ۵۹ فیصد نہیں۔

تنگی آنکھ کی رویت کا ریکارڈ:- اس عنوان کے تحت فاضل فتویٰ نگار کم عمر کے ہلال دکھائی دیے جانے کے چند ریکارڈ پیش کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ: ”تنگی آنکھ کی رویت میں چاند (ہلال) کا ۲۰ گھنٹوں سے بھی کم عمر میں، حتیٰ کہ ساڑھے چودہ سے سولہ گھنٹوں کی عمر میں دکھائی دیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ پیدائش قمر (قرآن) کے بعد ہلال بعض اوقات اتنے عرصے میں تنگی آنکھ سے دیکھ جانے کے قابل ہو جاتا ہے مگر مختلف مطلع پر مقامی، موسمی اور فضائی یا بیویائی کیفیات کے باعث عام طور پر دکھائی نہیں دیتا۔“ (صفحہ ۳۹) فاضل فتویٰ نگار نے انگلستان میں ۱۸۹۵ء اور ۱۹۱۰ء کی عین مہینوں کے ساڑھے چودہ سے سولہ گھنٹوں کی عمر کے ہلال تنگی آنکھوں سے دکھائی دئے جانے کی جو مثالیں پیش کی ہیں اگرچہ ان کا تذکرہ فلکیاتی مضامین کے ریکارڈ میں پایا جاتا ہے مگر حقیقتاً ماہرین فلکیات اسے تسلیم نہیں کرتے۔ راقم نے ماہرانہ رائے کے حصول کے لئے رصدگاہ گرینچ سے رابطہ کیا۔ جواب میں ڈاکٹر برنارڈ یالوپ (Dr. Barnard Yallop) نے اپنے مراسلے محررہ ۲۶ جولائی ۱۹۹۷ء میں تحریر کیا: ”سہ ماہی جرنل آف دی رائل اسٹرونومیکل سوسائٹی (۱۹۹۳ء) جلد ۳۳ نمبر ۱۵ صفحات ۵۳ تا ۵۶ پر سکیر (Schaefer) نے واضح کیا ہے کہ انگلستان میں ۲۲ جولائی ۱۸۹۵ء اور ۱۰ فروری ۱۹۱۰ء کی مہینہ رویت ہلال ناقابل اعتماد تھیں۔“ عجیب بات یہ ہے کہ فاضل فتویٰ نگار اپنی تحریر میں متذکرہ بالا دونوں ماہرین فلکیات کو ”جدید ترین رصدگاہی ماڈلز“ تسلیم کرتے ہیں اور جابجا ان کے حوالے دیتے ہیں مگر جس ریکارڈ کو ان کے ماڈلز بھی تسلیم نہیں کرتے وہ انہی حوالوں کی بنیاد پر رویت ہلال کا معیار متعین کرتے ہیں اور ایسے مفروضے قائم کرتے ہیں جنہیں سن کر سائنس دان بھی دنگ رہ جائیں۔ انگلستان میں تقریباً ایک صدی قبل کن لوگوں نے اتنی کم عمر کے ہلال دیکھنے کا دعویٰ کیا؟ کیا وہ لوگ قابل اعتبار تھے؟ کیا انہوں نے واقعی ہلال دیکھا یا سائنسی فلکیاتی تحقیقات کے پرچوں میں اپنی خصوصی اہمیت اجاگر کرنے کی خاطر فرضی ریکارڈ پیش کئے؟ فاضل فتویٰ نگار نے ان باتوں کی تحقیق کی زحمت گوارا نہ کی حالانکہ سائنس دان اس بارے میں بہت محتاط ہوتے ہیں۔ رصدگاہ گرینچ کی اسٹرونومیکل انفارمیشن شیٹ نمبر ۶ محررہ مارچ ۱۹۹۶ء میں تجویز کیا گیا ہے کہ: ”رویت ہلال کا مشاہدہ چند غیر وابستہ (Independent) افراد کے ذریعے ہونا چاہئے کیونکہ

غیر ارادی طور پر غلط رویت کئے جانے کا ہمیشہ امکان ہوتا ہے۔ ”رصد گاہی ماہرین کی یہ تجویز حیرت انگیز طور پر ان مضابطوں سے مشابہت رکھتی ہے جو اسلامی فقہ میں رویت ہلال کی شہادتوں کے ضمن میں بیان کئے جاتے ہیں۔ یہاں پر ایک اور ”ریکارڈ“ کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

۱۹۸۳ء میں ۲۹ رمضان المبارک کو لاہور میں چند شہادتوں کی بنیاد پر عید الفطر کی رویت ہو جانے کا اعلان کیا گیا۔ فلکیاتی اوقات کے اعتبار سے ان لوگوں نے گیارہ گھنٹے کی عمر کا چاند دیکھ لیا۔ رویت ہلال کمیٹی کے ایک معزز رکن سے راقم کی اس مسئلے پر گفتگو ہوئی تو راقم نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ گواہی دینے والے افراد کو مطلع پر موجود کسی اور شے پر چاند کا گمان ہوا ورنہ اس عمر کا چاند کسی صورت دکھائی نہیں دے سکتا۔ بعد میں راقم نے اس بارے میں ملائشیاء کی سائنس یونیورسٹی کے ایک مسلمان ماہر فلکیات ڈاکٹر محمد الیاس کے علاوہ رصد گاہ گرینچ سے ماہرانہ آراء حاصل کیں۔ دونوں نے اس شام رویت کے امکان سے قطعی اختلاف کیا۔ یہ آراء انہی دنوں ایک قومی اخبار کے ایک معروف کالم میں شائع ہوئیں۔ رصد گاہ گرینچ کی اس رائے سے کہ ”غیر ارادی طور پر غلط رویت کئے جانے کا ہمیشہ امکان ہوتا ہے“ راقم کے متذکرہ بلا یقین کی تصدیق ہوتی ہے۔ جدید ترین سائنسی تحقیق میں رویت ہلال کی شہادت کا یہ معیار مقرر کیا گیا ہے تو ایک صدی قبل کی غیر مستند روایات پر آنکھیں بند کر کے کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ چہ جائیکہ انہیں رویت ہلال کا معیار بنالیا جائے اور اس سے سائنسی اور شرعی اصول وضع کئے جائیں۔ ہمارے لاہور کے شاہدوں نے گیارہ گھنٹے کی عمر کا چاند دیکھ کر نہ صرف انگلستان کے مبینہ ریکارڈ کو تین چار گھنٹوں کے فرق سے توڑا بلکہ وہ (اگلے عنوان کے تحت) فاضل فتویٰ نگار کے پیش کردہ کم از کم ۱۳ گھنٹے کے دور بینی ریکارڈ کو بھی دو گھنٹوں کے فرق سے مات دے گئے۔ فاضل فتویٰ نگار نے لاہور میں کم از کم عمر کے ہلال دہائی دینے کی جو مثالیں دیں وہ ۱۹ تا ۲۲ گھنٹوں کے درمیان ہیں۔ انہوں نے جس کتاب سے یہ معلومات حاصل کیں اس میں اس واقعے سے دو سال قبل تک کی تفصیلات درج ہیں۔ اگر انہیں اس ”ریکارڈ توڑ“ رویت ہلال کا علم ہو جاتا تو وہ اسے لازمی طور پر سرفہرست پیش کرتے۔

نیا بصری فلسفہ:- فاضل فتویٰ نگار نے دور بین کے ذریعے کم از کم ۱۳ گھنٹے کی عمر کا ہلال دیکھے جانے کا ریکارڈ پیش کرتے ہوئے ننگی آنکھ اور دور بینی آلات کی رویتوں میں فرق کو بہت معمولی بتایا ہے۔ انہوں نے چند مفروضے قائم کئے ہیں اور انکی بنیاد پر ایک نیا بصری فلسفہ پیش کیا ہے۔ چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

”ہلال کو ننگی آنکھ سے دیکھنا یا جدید رصد گاہی آلات اور دور بین کے ذریعے دیکھنا دونوں رویتیں اصلاً ایک ہی چیز ہیں۔ ان میں بنیادی طور پر کوئی تضاد یا تخالف نہیں ہے بلکہ دوسری صورت پہلی ہی

صورت کیلئے ممدومعادن کا درجہ رکھتی ہے۔“ (صفحہ ۴۷) ”جولوگ محض بصری رؤیت کو محبر اور آلاتی و دور بین رؤیت کو غیر محبر سمجھتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رصدگاہی آلات اور دور بینیں کتنی ہی طاقت ور کیوں نہ ہوں ہلال کو عدم سے وجود میں نہیں لاسکتیں۔“ (ایضاً) ”جب ایک شخص کی بینائی کمزور ہو جائے تو عینک کی امداد سے وہ اپنی طبعی قوت مشاہدہ میں اضافہ کر لیتا ہے۔ اسے ہر کوئی جائز سمجھتا ہے تو دور بین (Telescope) جیسے آلات بھی اسی قبیل میں آتے ہیں کیونکہ ان سے بھی فقط قوت مشاہدہ استعداد وادراک میں اضافہ ہو جاتا ہے اور چاند جو بعض اوقات یا بعض مقامات پر مطلع کی دھندلاہٹ کے باعث تنگی آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا۔ یہ آلات انکی رؤیت آسان اور شفاف بنا دیتے ہیں لہذا شرعاً و عقلاً ان آلات کی مدد سے واقع ہونے والی رؤیت اور تنگی آنکھ کی رؤیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔“ (صفحہ ۴۹)۔

”حقیقتاً دور بین سے بھی ہلال کو انسانی آنکھ نے ہی دیکھا ہے۔“ (ایضاً)۔ بینائی کمزور ہونے کی صورت میں عینک کے استعمال کو خواہ مخواہ فقہی انداز دے کر اس کے جائز سمجھے جانے کو ایک حجت کے طور پر پیش کیا گیا حالانکہ اس کا مسئلہ رؤیت ہلال سے مطابق کوئی بنیاد نہیں رکھتا۔ عینک پہننے سے بصارت میں زیادہ سے زیادہ اس قدر اضافہ ہوتا ہے جو ایک مکمل صحت مند نظر رکھنے والے فرد میں ہوتا ہے جبکہ دور بینیں یا ٹیلی سکوپ دور دراز کی ایسی اشیاء کو بھی واضح طور پر دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جنہیں انسانی نگاہیں نقطوں کی صورت میں بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ جس طرح چاند اپنی پیدائش کے کچھ دیر بعد ہلال کی صورت اختیار کرنا شروع کر دیتا ہے مگر جب تک وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا وہ ایک لحاظ سے ہمارے لئے معدوم ہی ہوتا ہے اسی طرح متذکرہ شے بھی انسانی آنکھ کے لئے معدوم تھی جسے دور بین یا ٹیلی سکوپ وجود میں لے آئے۔ جب تیز ترین بصارت کی حامل ہزارہا انسانی آنکھیں کوشش کے باوجود صاف مطلع میں بھی ہلال کو نہ دیکھ سکیں تو ایسی صورت میں دور بین یا ٹیلی سکوپ کی مدد سے دیکھے گئے ہلال کے متعلق یہ کہنا کہ اسے انسانی آنکھ ہی نے دیکھا ہے انتہائی بے وزن دلیل ہے۔

سائنس کی روز افزوں حیرت انگیز ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امر کو بعید از قیاس قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب ایسی طاقتور دور بینیں اور ٹیلی سکوپ ایجاد ہو جائیں گے جو چند منٹوں کی عمر کے چاند کی باریک ترین روشن ہوتی ہوئی قوس کو بھی دیکھ سکیں گے۔ اگر آج ایک خاص طاقت کی دور بینوں کی استعداد کو معیار بنا کر تیرہ چودہ گھنٹے کی عمر کے چاند کو رؤیت ہلال کی بنیاد قرار دیا جائے تو کیا مستقبل میں رؤیت ہلال کا معیار پھر بدل دیا جائے گا؟ اور کیا کسی ادارے سے پھر ایک نیا فتویٰ جاری ہوگا کہ اصل میں قرن شمس و قمر کا دوسرا لمحہ ہی رؤیت ہلال ہے۔ دور بینیں اور ٹیلی سکوپ کس قدر ہی ترقی کر جائیں لیکن یہ امر طے ہے کہ انسانی آنکھ کی طاقت اس وقت بھی آج سے زیادہ طاقتور نہیں ہوگی۔

کیا اس وقت کے فتویٰ نگار بھی انسانی بصارت اور ٹیلی سکوپ کے اس عظیم بُعد کو ایک ہی کیفیت قرار دیں گے؟ اگر کل کو یہی فیصلہ دینا ہے تو پھر بتدریج کی کیا ضرورت ہے؟ آج بھی مشرق وسطیٰ کے ان ممالک کی تقلید کی جاسکتی ہے جو ایک عرصے سے قرآن شمس و قمر کو رؤیت ہلال کی بنیاد بنا چکے ہیں۔ ان میں سے ایک طبقے کا فتویٰ یہ ہے کہ قرآن کے بعد جو بھی غروب آفتاب ہو (خواہ ایک منٹ بعد ہو) وہی رؤیت ہلال کی شام ہے۔ اس سے بھی بڑھکر دوسرا طبقہ اس شام کو بھی رؤیت ہلال کا درجہ دیتا ہے جس میں قرآن نصف شب سے پہلے ہو جائے، یعنی وہ قرآن سے بھی کئی گھنٹے قبل چاند ہو جانے کا اعلان کر دیتا ہے۔ وہ چاند دیکھنے دکھانے کے چکر میں ہی نہیں پڑتے۔ ہمارے ہاں اس انتہا تک پہنچنے کی یہ ابتدائی کوشش معلوم ہوتی ہے۔ ”بغیر آلات بصری رؤیت“ اور آلات کی مدد سے بصری رؤیت ”جیسی اصطلاحیں وضع کرنے والے شاید ایک خاص طرز کی تجدید اسلام چاہتے ہیں۔

حتمیت اور قطعیت کے دعوے :- سورج، چاند اور زمین سے متعلق ہر قسم کی جغرافیائی، ہستی اور فلکیاتی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے فاضل فتویٰ نگار تحریر کرتے ہیں:

”..... عرصہ ہائے دراز کے مطالعہ و مشاہدہ کے بعد یہ تمام اعداد و شمار باقاعدہ حساب و کتاب اور فارمولوں کی شکل میں $2+2=3$ کی طرح قطعی و یقینی علم کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں اس لئے علم الہدیٰ اور علم الرؤیہ اب فی الحقیقت ”علم الحساب“ بن گیا ہے۔ اسی میں اب ظن و خطا کی وہ کیفیت نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اس وقت ہمارے فقہاء کرام علم فلکیات کے ماہروں کے اندازوں کو کلاماً درست تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے ان پر مدار رویت ممکن نہ تھا۔ اس وقت تک اس باب میں سائنسی تحقیقات و معلومات خود بلوغ و کمال اور فلکیاتی حساب میں حتمیت و قطعیت کے مقام تک نہ پہنچی تھیں مگر اب صورتحال یکسر بدل چکی ہے۔ اب علم ہست و فلکیات حساب کے درجہ میں ”علم یقین“ میں بدل چکا ہے۔“ (صفحہ ۵۳)

اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کیلئے فاضل فتویٰ نگار نے گزشتہ و آئندہ کے چند سالوں کے قرآن شمس و قمر کی تاریخیں اور اوقات فٹوں اور سیکنڈوں تک میں پیش کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنسدان یہ مہارت آج نہیں، ایک مدت ہوئی حاصل کر چکے ہیں۔ رہی اصل مسئلے کی بات تو عرض ہے کہ رؤیت ہلال کے معاملے میں سائنسی تحقیقات و معلومات ابھی تک ”حتمیت و قطعیت“ کے مقام تک نہیں پہنچیں۔ اس کے ثبوت میں دو مختصر حوالے درج کئے جاتے ہیں۔ رصد گاہ گرینچ کی جاری کردہ اسٹرانومیکل انفارمیشن شیٹ نمبر ۶، محررہ مارچ ۱۹۹۶ء بعنوان ”نئے ہلال کے پہلی مرتبہ دکھائی دئے جانے کی پیش گوئی پر ایک نوٹ“ کے شروع میں ہی یہ بتا دیا گیا ہے کہ: ”قطعی طور پر یہ پیش گوئی کرنا کہ ایک خاص مقام پر کہ

میں نے کانیا ہلال پہلی مرتبہ کب تک دکھائی دے گا، ممکن نہیں۔۔۔ رصد گاہ گرینچ ہی کے ڈاکٹر نارڈ لوپ راقم کے نام اپنے خط محررہ، ستمبر ۱۹۹۶ء میں تحریر کرتے ہیں: ”کسی بھی وقت اور کسی بھی مقام سے چاند کے ہندسی رخ (Geometrical Aspect) کا حساب لگانا تو ممکن ہے مگر یقینی طور پر یہ پیش گوئی کرنا کہ آیا چاند نظر آئے گا، ممکن نہیں۔۔۔ واضح ہو کہ فاضل فتویٰ نگار نے جب ”حتمیت“ کا دعویٰ کیا، متذکرہ بالا ماہرانہ آراء اس کے بعد تحریر ہوئیں۔ ثابت ہوا کہ رؤیت ہلال کے معاملے میں سائنسی تحقیقات ابھی تک ”حتمیت و قطعیت“ کے مقام تک نہیں پہنچیں لہذا چاند کی ہمت اسکی حرکات رفتار، گردش کے دائروں، زاویوں، اوقات وغیرہ وغیرہ کی معلومات کو حتمی کہہ دینے کے باوجود اس کا اطلاق رؤیت ہلال پر زبردستی نہیں کیا جاسکتا۔ فاضل فتویٰ نگار نے جس طرح قمری مہینوں کی اوسط مدت کو بڑے وثوق کے ساتھ ہر ماہ کا ”حتمی و قطعی“ عرصہ قرار دے کر لاعلمی کا ثبوت دیا۔ اس معاملے میں بھی اسی علمیت کو برقرار رکھا۔

سائنسی تحقیق سے عدم واقفیت اور نئی فقہ :- فاضل فتویٰ نگار تحریر کرتے ہیں:

”یہ موازنہ اور تحقیق اسلئے پیش کی گئی ہے کہ وہ مذہبی ذہن جنہیں سائنسی تحقیقات و انکشافات سے عدم نفیت کی بنا پر بلاوجہ سائنس اور جدید ٹیکنالوجی سے اختلاف اور نفرت ہے اور وہ سائنسی آلات اور انکے مشاہدات کی نسبت مغالطہ اور بدگمانی میں مبتلا رہتے ہیں وہ اپنا خیال درست کر سکیں۔۔۔۔۔“ (صفحہ ۴۹)۔

سائنسی تحقیق سے بے خبری کی بنا پر سائنس سے اختلاف اور نفرت کرنا اور بدگمانی میں مبتلا رہنا کسی طور مستحسن نہیں۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو ضرورت سے زیادہ ماڈرن بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہر مسئلے کو سائنس کی روشنی میں پرکھنے کا پرچار کرتے ہیں مگر خود سائنسی اصولوں سے لاعلم ہوتے ہیں۔ اگر جدیدیت کا شکار یہ لوگ اپنی ناقص سائنسی معلومات کی بنیاد پر نئی فقہ ترتیب دینے لگے تو پھر اسلام کا اللہ ہی حافظ ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر
کا حوالہ ضرور دیں۔